عرف کے اعتبار سے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما اور ان کی نسلیں سید ھیں بس

سوال: مفتی صاحب میرا سوال یہ کہ آپ نے اپنے بیان میں کہا کہ باعتبار نسب یا باعتبار عرف واصطلاح مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید نہیں ہیں اس پر کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ آپ نے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سید ہونے کا انکار کیا ہے جب کہ آپ کی ذات سے ایسی امید نہیں ہے لیکن الجھن ہے اس لئے اکابر اہل سنت کی روشنی میں اس کا مفصل ومدلل اور تشفی بخش جواب عنایت فرما کر ہماری الجھنیں دور کریں اور شکریہ کا موقع دیں: سائل: محمد عمران رضا آزاد نگر داونگیرہ:9742786172

:

الجــواب: اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ: تفصیلی جواب سے قبل چند باتیں ذہن نشیں کرلیں کہ جب میں پروگرام میں پہونچا تو مجھ سے سوال ہوا کہ ایک مولانا صاحب نے اپنے بیان میں کہا کہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید نہیں ہیں جس پر پورے شہر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا حضرت آخر اس کی حقیقت کیا ہے تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ مولانا نے اس طرح نہیں کہا ہوگا بلکہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ عرف و اصطلاح اور نسب کے اعتبار سے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لفظ سید کا استعمال واطلاق کسی کی جانب اضافت یا نسبت کئے بغیر کرنا درست نہیں ہے چونکہ یہ لفظ سید عرف واصطلاح اور نسب کے اعتبار سے حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کی نسل کے ساتھ خاص ہے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سید السادات ہیں۔ سید المؤمنین ہیں۔ سید المسلمین ہیں مگر نسب اور عرف واصطلاح کے اعتبار سے سید

نہیں ہیں اور یہی اسٹیج پر کہا اور یہ کہنا اکابرین اہل سنت کے فرمان عالیشان کے عین مطابق ہے اور یہی درست وصحیح ہے اب اس کی مکمل تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

سید عربی لفظ ہے جس کی جمع سادات ہے اور یہ لفظ لغوی اعتبار سے کئی معنوں میں مستعمل ہے اور وہ معنی درج ذیل ہیں رب۔ مالک۔ شریف۔ فاضل۔ حلیم۔ رئیس۔ سردار۔ پیشوا۔ قاضی۔ شوہر اور اپنی قوم کی جانب سے دی گئی اذیت پر تحمل کرنے والا جیسا کہ لسان العرب میں ہے۔

قال: والسيد يطلق على الرب والمالك والشريف والفاضل والكريم والحليم ومحتمل أذى قومه والزوج والرئيس والمقدم، وأصله من ساد يسود فهو سيود، فقلبت الواو ياء لأجل الياء الساكنة قبلها ثم أدغمت (علامہ ابن منظور افریقی لسان العرب فصل السین المہملہ ج۳/ ۲۸۱ دار الکتب العلمیہ بیروت)

المنجد میں: السید کا معنی سردار ہے (المنجد/ ۵۰۰)

فیروز میں: سید کا معنی امام اور سردار ہے (فیروز اللغات جدید/ ۵۹۱)

مصباح اللغات میں: السید کا معنی سردار ہے (مصباح اللغات/ ۴۰۵)

لغات کشوری میں: السید کا معنی سردار۔ بزرگ اور پیشوا ہے:

تاج العروس میں ہے: السید الذی فاق غیرہ بالعقل والمال ولدفع ولنفع المعطی لہ فی حقوقہ المعین بنفسہ۔ السیادۃ الشرف۔ السید الرئیس الذی لا یغلبہ غضبہ العابد۔ الورع الحلیم۔ سمی سید لانۃ یسود سواد الناس۔ السید الکریم۔ السید الملک۔ السید السخی سادہ (سید مرتضی حسین زبیدی مصری: تاج العروس۔ شرح القاموس

۲/۳۸۴ابن شمیل سے بھی یہی مروی ہے لسان العرب ج ۳/ ۲۸۱/ ۲۸۲دارالکتب العلمیہ بیروت)
جودوسروں سے عقل ۔مال کے اعتبار سے اور تکلیف دور کرنے یا نفع پہنچانے کے لحاظ سے فائق ہووہ سید ہے اپنا حقوق جواس کے لئے معین ہو بذات خوددوسروں کودینے والا ہووہ سید ہے۔سیادت کا معنی ہے بزرگی ۔سید کا معنی ہے رئیس ۔جس پر غصہ غالب نہ ہووہ سید ہے۔عبادت گزار۔پرہیز گار۔قوت برداشت رکھنے والا۔اس کوسیداس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں میں فائق (معظم)ہوتا ہے سید کریم ۔سید بادشاہ اورسید سخی اس کی جمع سادۃ ہے (ایسے تمام لوگوں پر لفظ سید کا اطلاق لغت کے اعتبار سے ہوتا ہے)۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لفظ سید کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:سیدوہ ہے جواپنی قوم پر فائق ہواور یہ سیادت ۔ریاضت ۔قیادت ۔اور بلندرتبے سے عبارت ہے:مزید فرماتے ہیں کہ:سیدوہ ہے جوخیر میں اپنی قوم پر فائق ہو(مشارق الانوار ج۳/ ۲۸۶)۔

مفردات اصفہانی میں ہے: السید المتولی للسوادی الجامعة الکثیره قیل لکل من کان فاضلا فی نفسه سید۔ سمی الزوج سید لسیاسة زوجته(ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی مفردات ۲۴۷طبع جدید)

سواداعظم یعنی جماعت کثیرہ کا جومتولی ہے وہ سید ہے اور بعضوں نے کہا جو بالذات فضیلت والا ہے وہ سید ہے اپنی بیوی کی دیکھ ریکھ(اور حاکمیت) کی وجہ سے شوہر کواس کا سید قرار دیا گیا ہے:
وقال عکرمۃ:السید الذی لا یغلبه غضبه(لسان العرب ج ۳/۲۸۲)

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا سید وہ ہے جس کا غصہ اس پر غالب نہ آئے:

وقال قتادة: هو العابد الورع الحليم (مصدرسابق)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ عبادت گزار۔ پرہیز گار اور بردبار سید ہے:

وقال ابوخيرة: سمى سيدا لانه يسود سواد الناس اى عظمهم (مصدرسابق)

ابوخیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا سید اس کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کی جماعت میں فضیلت یعنی ان میں معظم ہو:

الاصمعی: العرب تقول: السيد كل مقهور و مغمور بحلمه (مصدرسابق) اصمعی نے کہا کہ اہل عرب اس کو سید کہتے ہیں جو اپنے حلم و بردباری کی وجہ سے مقہور و مغمور ہو:

قرآن واحادیث میں جہاں جہاں لفظ سید کا استعمال واطلاق ہوا ہے اور جن جن کو سید کہا گیا ہے انہیں معنیٰ لغوی کے اعتبار سے کہا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ لغت عرب میں سید ایک اعزازی لفظ ہے اور یہ لفظ عام ہے مسلم ہو یا غیر مسلم اگر وہ کسی اعتبار سے اپنی قوم اور سماج میں برتری رکھتا ہے تو وہ اس قوم وسماج کا سید ہے اس پر لفظ سید کا اطلاق ہوا ہے لیکن بنظر عمیق دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ وہاں بھی سرداری کے معنی میں ہی لفظ سید کا اطلاق ہوا ہے کہیں بھی کسی قبیلہ۔ نسب۔ اور خاندان پر اس لفظ سید کا اطلاق نہیں ہوا ہے:

حدیث ہے: كل بنى آدم سيد، والرجل سيد أهله، والمرأة سيدة بيته (أخرجه ابن عدی فی الکامل فی الضعفاء ج۴ ۲۰/ والدیلمی فی الفردوس ۴۷۸۱/ لسان العرب ابن منظور افریقی ج ۳/ ۲۸۲)

ہر اولاد آدم سید ہے مرد اپنے اہل خانہ کا سید ہے اور عورت اپنے گھر کی سیدہ ہے: اس حدیث میں مؤمن و

کافر کی قید نہیں ہے بلکہ ہر اولادآدم پر لفظ سید کا اطلاق ہوا ہے یہاں سے روشن ہے کہ یہ لفظ سید جس طرح اللہ کے نیک بندوں صاحب عزت ورفعت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ہوا ہے اسی طرح غیر مسلم زعماء و لیڈران کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور ہوتا ہے ظاہر ہے کہ لفظ سرداری جس طرح مال و دولت اور دنیوی عہدہ ومنصب اور شان وشوکت کی آگاہی دیتا ہے اسی طرح یہ روحانی۔ایمانی اوراخروی سرداری پر بھی دلالت کرتا ہے قرآن پاک میں ہے کہ بروز قیامت مجرم ومنکر عوام رب قدیر کے حضور بطور شکوہ ومعذرت کہیں گے۔

وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا و كبرائنا فاضلونا السبيلا آتهم ضعفين من العذاب و العنهم لعنا كبيرا (الاحزاب/ ٦٧)۔

اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اوراپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو اُنہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا اے ہمارے رب اُنہیں آگ کا دونا (دُگنا) عذاب دے اوراُن پر بڑی لعنت کر:

اس مقام پر سیادت کا اطلاق کافروں کے زعماء اورلیڈروں پر ہوا ہے:

سیدنا یحیی علیہ السلام سے متعلق قرآن میں ہے: و سيدا وحصورا ونبيا من الصالحين (آل عمران/ ٣٩) اورسرداراور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے:

اس کی تفسیر میں صدرالافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: سیداس رئیس کو کہتے ہیں جو مخدوم ومطاع ہو حضرت یحییٰ علیہ السلام مؤمنین کے سرداراور علم وحلم ودین میں ان کے رئیس تھے:

اس مقام پر سید کا اطلاق حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ہوا ہے: و الفيا سيدها لدا الباب (یوسف

/۴۵)۔اور دونوں کو عورت کا میاں دروازے پر ملا:

اس مقام پر شوہر کے لئے لفظ سید کا اطلاق ہوا جو حضرت زلیخا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر عزیز مصر کو کہا گیا چونکہ وہ ان کا شوہر تھا۔

اور احادیث میں بھی لغوی معنی سردار ہی اکثر جگہ مستعمل ہوا ہے البتہ جہاں پرودگار عالم کے لئے بولا گیا وہاں رب اور مالک مراد ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

ایک شخص نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: انت سید قریش فقال النبی صلی الله علیه وسلم السید الله (لسان العرب ج۳/۲۸۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سردار ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سید اللہ (عزوجل) ہے یعنی وہی رب اور مالک ہے: انا سید ولد آدم یوم القیامة لا فخر (مسلم فی الصحیح، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق ج ۲/۲۴۵)۔

قیامت کے روز میں اولاد آدم کا سردار ہونگا اور اس پر کوئی فخر نہیں ہے: انا سید الناس یوم القیامة (صحیح مسلم"، کتاب الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، ج۱/۱۲۵/۱۲۶/ بخاری۔ترمذی)۔

میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوگا: عن جابر بن عبدالله، قال: قال رسول الله أبوبكر وعمر سيدا كهول أہل الجنة من الأولين والآخرين الا الانبياء والمرسلين لا تخبرہما يا على، رواه الطبرانی فی الأوسط (مجمع الزوائد ج۹/۵۳)۔

انبیاء ومرسلین کے علاوہ ابوبکر اور عمر اولین وآخرین کے ادھیڑ عمر والے جنتی کے سردار ہیں اے علی ان دونوں سے متعلق تم باخبر نہیں ہو اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے:

کان عمر یقول: أبو بکر سیدنا، وأعتق سیدنا . یعنی بلالا (بخاری فضائل الصحابۃ باب مناقب بلال بن رباح)۔

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں جس نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کرایا:

یا علی أنت سید فی الدنیا وسید فی الآخرۃ (فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل ج ۲/۶۲۴)

اے علی تو دنیا میں سردار ہے اور آخرت میں سردار ہے: فاطمۃ سیدۃ النساء اھل الجنۃ (بخاری ج ۱/۵۳۲) فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔

فقال:" ابنی ہذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین (بخاری کتاب الصلح) ۔میرا یہ بیٹا ہے مسلمانوں کا سردار ہے اور شاید اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے:

الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ (ترمذی کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین) حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: سید الشہداء یوم القیامۃ حمزۃ بن عبد

المطلِب، ورجل قام إلى إمام جائر، فنهاه وأمره، فقتله (المعجم الأوسط المؤلف: سليمان بن أحمد أبوالقاسم الطبرانی ناشر: دارالحرمین القاہرہ)۔قیامت کے دن سیدالشہداء(شہیدوں کے سردار)حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور دوسرا وہ شخص ہے جس نے ظالم بادشاہ کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا تو بادشاہ نے اسے قتل کروادیا:

دوسری صحیح حدیث میں ہے سیدالشہداءعنداللہ تعالی یوم القیامۃ حمزۃ (المستدرك على الصحيح المؤلف: أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم بن الحكم الضبى الطهمانى النيسابورى المعروف بابن البيع الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت) اللہ تعالٰی کے نزدیک قیامت کے دن سیدالشہداء حضرت حمزہ ہوں گے۔

حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں اس کی قوم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوموا إلى سيدكم (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح/ الملاعلی القاری-نورالدین علی بن سلطان محمد القاری باب القیام الفصل الاول)۔

اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ: لا تقولوا للمنافق سيدا، فهو إن كان سيدكم و هو منافق فحالكم دون حاله والله لا يرضى لكم ذلك (لسان العرب ج۳/۲۸۱)۔

منافق کو اپنا سردار مت کہو اگر چہ وہ تمہارا سردار ہو کیونکہ وہ منافق ہے تمہاری حالت اس سے الگ ہے اس

کی وجہ سے تمہارا رب تم سے راضی نہیں ہوگا:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تفقهوا قبل ان تسودوا (لسان العرب ج ۳/ ۲۸۱)

شادی کرنے سے پہلے علم فقہ حاصل کرو: يا رسول الله من السيد قال يوسف بن اسحاق بن يعقوب۔بن ابراهيم عليه السلام قالوا: فما فی امتك من سيدقال: بلی من آتاه الله مالا ورزق سماحة۔ فادی شكره (لسان العرب ج ۳/ ۲۸۲)۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سید ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوسف ابن اسحٰق ابن یعقوب ابن ابراہیم علیہم السلام سید ہیں تو ان لوگوں نے عرض کیا آپ کی امت میں کوئی سید نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو مال دیا اور نفع بخش رزق دیا گیا تو اس نے اس کے شکر کا حق ادا کیا یعنی وہ میری امت میں سید ہے:

سعد ابن عبادہ کے لئے کہا گیا: انظروا الی سيدنا هذا ما يقول (لسان العرب ج ۳/ ۲۸۲)

اپنے سردار کی جانب دیکھو وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے: انظروا الی سيدكم ای مقدمكم (لسان العرب ج ۳/ ۲۸۲)

اپنے پیشوا کی طرف دیکھو: سيد العبد مولاه (لسان العرب ج ۳/ ۲۸۲) غلام کا سید اس کا آقا ہے:

سيد المرأة زوجها (لسان العرب ج ۳/ ۲۸۲)

عورت کا سید اس کا شوہر ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ

میں نے ایک عورت سے خضاب لگانے سے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا: کان سیدی رسول الله صلی الله علیه وسلم یکره ریحه (لسان العرب ج ۳/۲۸۳)۔

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا سید (یعنی شوہر) اس کے بوکو ناپسند کرتا ہے: اس کے علاوہ بھی کثرت سے لغوی معنی میں سید کا استعمال موجود ہے جس سے واضح ہو گیا کہ باپ اپنے بیٹے کا سید ہے استاد اپنے شاگر کا سید ہے پیر اپنے مرید کا سید ہے آقا اپنے غلام کا سید ہے حاکم اپنے رعایا کا سید ہے چونکہ وہ درجات ومراتب میں اپنے ماتحت سے افضل ہے اور یہ فضیلت باعتبار نسب نہیں ہے بلکہ یہ رفعت و بلندی ذاتی فضل وکمال کی بنیاد پر ہے چاہے مال کے اعتبار سے ہو یا حلم و بردباری کی وجہ سے ہو یا عہدۂ مناصب کے سبب ہو دنیوی اعتبار سے ہو یا دینی اعتبار سے ہو اس معنئ اول کے اعتبار سے دیکھا جائے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا شک وشبہ سید ہیں جس کے انکار کا کسی میں جرآت وہمت نہیں لیکن اس میں مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے اس اعتبار سے ہر معظم شخصیات بھی علی سبیل الدرجات سید ہیں اور اس پر لفظ سید کا اطلاق جائز ودرست ہے مثلا اللہ تعالیٰ اپنے تمام مخلوقات کا سید ہے کیونکہ وہی سب کا رب ہے وہی سب کا خالق ہے وہی سب کا رازق ہے وہی سب کا مالک ہے: رب قدیر کے بعد آقائے نعمت دریائے رحمت شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین دانائے غیوب ختم رسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام ومرتبہ ہے بعد از خدا توئی قصہ مختصر: اس لئے آپ کو سید البشر۔ سید الانس والجان سید الانبیاء والمرسلین۔ سید الملائکہ۔ سید السادات۔ سید الثقلین۔ سید الکونین سید المخلوقات کہا جاتا ہے۔

انبیاء ورسولان عظام کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ومرتبہ ہے اس لئے انہیں سید البشر بعد انبیاء بالتحقیق کہنا بھی صحیح ودرست ہے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان

غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی اس کا استعمال صحیح ودرست ہے یہ اطلاق فضل ومراتب کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ وہ لوگ امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین ہیں اس کے بعد راکب دوش پیمبر۔ نائم فراش مصطفیٰ۔ داماد رسول فاتح خیبر۔ بت شکن۔ حیدر کرار۔ اسد اللہ الغآلب۔ باب العلم والحکمۃ۔ مشکل کشا مولائے کائنات حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری امت وسط کے سید ہیں یہ معنئ اول کے اعتبار سے ہے اسی پر سب کو قیاس کرلیا جائے مگر عرف واصطلاح اور نسب کے اعتبار سے سید نہیں ہیں بلکہ اس اعتبار سے ان پر لفظ سید کا اطلاق واستعمال کرنا مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ارفع واعلیٰ میں نادانستہ توہین کا مرتکب ہونا ہے جو ان شاء اللہ اس کے بعد بیان ہوگا۔

عرف و نسب کے اعتبار سے لفظ شریف و سید کا اطلاق

واضح رہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت حارث رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کی نسل کو ''شریف'' کہا جاتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر صدقہ کا مال کھانا حرام تھا اس عظمت ورفعت جلالت وبزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے انہیں لفظ شریف سے یاد کیا کرتے تھے:

اہل بیت میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کے لئے صدقہ لینا حرام کردیا گیا ہے۔ حصین نے پوچھا: وہ کون ہیں (جن پر صدقہ لینا حرام ہے)؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ علی (رضی اللہ عنہ) کی اولاد ہیں، عقیل (رضی اللہ عنہ) کی اولاد ہیں، جعفر (رضی اللہ عنہ) کی اولاد ہیں، عباس (رضی اللہ عنہ) کی

اولاد ہیں۔ حصین نے کہا: کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے۔۔؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ج ۲/ ۲۷۹، ط: قدیمی)۔ بنو ہاشم میں جن کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے کیونکہ ان پر زکواۃ وصدقات حرام ہے بنو ہاشم سے مراد صرف وہ پانچ خاندان ہیں: آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث بن عبدالمطلب ان پر زکواۃ وصدقات حرام ہے:

فتاوی عالمگیری میں ہے: ولا يدفع إلى بني هاشم، وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب كذا في الهداية (فتاوی عالمگیری، کتاب الزکوٰۃ، ج ۱/ ۱۸۹ مطبوعہ پشاور)۔ یعنی بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور بنو ہاشم سے مراد آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بن عبدالمطلب ہیں، جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے:

فتاوٰی رضویہ میں ہے: ''زکوٰۃ سادات کرام وسائر بنی ہاشم پر حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلٰثہ بلکہ ائمہ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا اجماع قائم (فتاوٰی رضویہ، ج ۱۰/ ۹۹ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)۔

بہارِ شریعت میں ہے: ''بنی ہاشم کو زکاۃ نہیں دے سکتے۔ نہ غیر انھیں دے سکے، نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو۔ بنی ہاشم سے مراد حضرت علی وجعفر وعقیل اور حضرت عباس وحارث بن عبدالمطلب کی اولادیں ہیں (بہارِ شریعت، ج ۱/ ۹۳۱ مکتبۃ المدینہ، کراچی)۔

اہل فارس اپنے سردار کوسید کہا کرتے تھےلیکن جب تیسری صدی ہجری میں اولادنبی فارس میں آکر آباد ہوئےتوانہوں نے دیکھا کہ وہ کون ہیں جواس خاندان سے عظمت وشرافت اور رفعت وبلندی میں اس خاندان سے بڑھ کر ہوں یہی اشخاص وافراد شریف وسید کہلانے کی حقدار ہیں کیونکہ انہیں پر یہ لفظ سید و شریف کے معنی صادق آتے ہیں توان لوگوں نے ان کی نسبی اعزاز کی بنیاد پر انہیں سید کہنے کا آغاز کردیا اس کے بعد اس کا استعمال ان خاندان والے پر باعتبار نسب ہوا پھر اس کا چلن عام وتام ہوگیا۔

چھٹی صدی ہجری کی کتاب تاریخ بیہق میں ایک باب سادات بیہق کےعنوان سے مرتب ہوا ہےاس میں خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنہوں نے وہاں سفر کیا ان کے بارے میں تذکرہ ہےاس سے پہلے قم کی تاریخ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے لئے سید اور سادات کے لفظ کا استعمال ہوا ہےان سندوں کو دیکھ کر یہ کہا سکتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے نسبا اس لفظ سید وسادات کا اطلاق اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوا ہے:

عبیداللہ مہدی جوشیعہ کی ایک شاخ فرقۂ اسماعیلیہ کا بانی تھا اور اپنا تعلق امام جعفرالصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت اسماعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب سے اپنا تعلق جوڑتا تھا اور نسلی فاطمی کا اپنے آپ کو ایک فرزند تصور کرواتا تھا جب اس نے مصر میں سلطنت فاطمیۃ کا قیام سن ۲۹۷ ہجری مطابق ۹۰۹ء میں کیا اور سن ۵٦۷ ہجری مطابق ۱۱۷۱ء تک یعنی دوسوساٹھ سال تک خلافت فاطمیہ کا باگ ڈور سنبھالے رکھا تو اسی دور میں اس نے حدیث پاک: کل سبب ونسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی (المعجم الکبیر ج ۳/ ۱۲۹/ والحاکم فی المستدرک ج ۳/۱۴۲)۔

سب حسب ونسب الا میرے حسب ونسب بروز قیامت قطع ہو جائیں گے: کے پیش نظر اس لفظ سید کو حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوران کی نسلوں کے لئے خاص کر دیا پھر دھیرے دھیرے یہی عرف واصطلاح پورے عرب وعجم میں جاری وساری ہو گیا اس زمانہ سے لے کر اب تک لفظ سید کا استعمال صرف سبطین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوران کی اولاد کے لئے ہو رہا ہے:

سلطان غیاث الدین بلبن جو ہندوستان کے بادشاہ گزرے ہیں یہ بابا فرید گنج شکر فاروقی قریشی کے سسر تھے انہوں نے اپنے دور حکومت میں (جو۱۲۶۶/تا/۱۲۸۷ہے) ایک نوٹیفکیشن جاری کیا تھا جسے بلبن کا شاہ گزٹ نوٹیفیکیشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میں طے ہوا کہ جملہ اولاد فاطمی اپنے نام کے آغاز میں سید اور آخر میں لفظ شاہ لکھیں گے اسی وقت سے ہندوستان میں لکھنے اور بولنے کا یہ طریقہ رائج ہوا جواب بھی قائم ہے نام کے شروع میں سید لکھتے ہیں اور بولتے ہیں نام کے آخر میں شاہ کا لفظ لکھنا بند ہو گیا البتہ بولنے میں مطلقا شاہ کا عرف جاری ہے عرب کے عرف واصطلاح میں لفظ سید وشریف اور عجم بالخصوص ہند وپاک عرف واصطلاح میں لفظ سید اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نسب خاتون جنت سے چلا ہے اس کے لئے خاص اور انہیں کا لقب ہے:

واضح ہو گیا کہ اس زمانے میں عرف واصطلاح کے اعتبار سے لفظ سید امامین علی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کی نسلوں کے لئے خاص ہو گیا ہے اور یہ باعتبار نسب ہے اس لئے اس لفظ کا استعمال بطور نسب کسی اور کے لئے کرنا درست نہیں اس اعتبار سے مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی اس لفظ سید اطلاق نہیں کر سکتے:

امام عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی:911ھ) رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "العجاجة الزرنبية فى السلالة الزينبية" میں لکھتے ہیں: إن اسم الشريف كان يطلق فى الصدر الأول على كل من كان من أهل البيت، سواء كان حسنياً أم حسينياً أم علوياً من ذرية محمد بن الحنفية وغيره من أولاد على بن أبى طالب، أم جعفرياً أم عقيلياً أم عباسياً ...فلما ولى الخلفاء الفاطميون بمصر، قصروا اسم الشريف على ذرية الحسن والحسين فقط، فاستمر ذلك بمصر إلى الآن (الحاوی للفتاوی للسیوطی۔ج۲/۳۹ دارالفکر۔بیروت)۔ یعنی بے شک "شریف" (شریف وسید کا معنی قریب قریب ہے) کا اطلاق قرون اولی میں ہر اُس شخص پر ہوتا تھا جو اہل بیت کرام سے ہو، چاہے وہ حسنی ہو، حسینی ہو، یا علوی ہو محمد بن حنفیہ کی اولاد اور دیگر اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، یا جعفری ہو یا عقیلی ہو یا عباسی۔۔۔ جب مصر میں خلفاءِ فاطمیین کو حکومت ملی تو انہوں نے سید کا لفظ فقط حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد کے لئے مختص کردیا، چناں چہ یہ تخصیص اس دور سے اب تک قائم ہے:۔

علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں: اعلم ان اسم الشريف كان يطلق فى الصدر الاول على من كان من اهل البيت ولو عباسيا اوعقيليا و منه قول المؤرخين: الشريف العباسى۔ الشريف الزينبى: فلما ولى الفاطميون بمصر قصروا الشرف على ذرية الحسن و الحسين فقط واستمر ذلك الى الآن (الفتاوی الحدیثیۃ/۱۶۸ مطبوعہ کراچی)۔ یعنی بے شک "شریف" (شریف وسید کا معنی قریب قریب ہے) کا اطلاق قرون اولی میں ہر اُس شخص پر ہوتا تھا جو اہل بیت کرام سے ہو، چاہے وہ حسنی ہو، حسینی ہو، یا علوی ہو

محمد بن حنفیہ کی اولاد اور دیگر اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، یا جعفری ہو یا عقیلی ہو یا عباسی ۔۔ جب مصر میں خلفاءِ فاطمیین کو حکومت ملی تو انھوں نے سید کا لفظ فقط حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد کے لئے مختص کر دیا، چناں چہ یہ تخصیص اس دور سے اب تک قائم ہے:

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی اولاد سید کھلاتی ھے:

حاشیہ طحطاوی میں ہے: يطلق على مومنى بنى هاشم اشراف والواحد: شريف كما هو مصطلح السلف و انما حدث تخصيص الشريف بولد الحسن و الحسين فى مصر خاصة فى عهد الفاطميين (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی /۱۲مطبوعہ کراچی)۔

اشراف (سادات) کا لفظ بنوھاشم کے مومنین پر بولا جاتا ہے جیسا کہ علمائے اسلاف کی اصطلاح ہے اور اس کے واحد کا صیغہ شریف ہے اس کے بعد مصری میں فاطمی خلفاء کی خلافت کے دور میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد و امجاد کے ساتھ شریف (یعنی سید) کا لفظ خاص کر دیا گیا:

الحاوی للفتاویٰ میں ہے: ولهذا تجد تاريخ الحافظ الذهبى مشحونا فى التراجم بذلك يقول: الشريف العباسى، الشريف العقيلى، الشريف الجعفرى، الشريف

الزينبى، فلما ولى الخلفاء الفاطميون بمصر قصرواالسم الشريف على ذرية الحسن والحسين فقط، فاستمر ذلك بمصر إلى الآن،ولا شك أن المصطلح القديم أولى وہو إطلاقه على كل علوى وجعفرى وعقيلي وعباسى كما صنعه الذہبى وكما أشار إليه الماوردى من أصحابنا، والقاضى أبو يعلى بن الفراء من الحنابلة كلاہما فى الأحكام السلطانية، ونحوه قول ابن مالك فى الألفية: وآله المستكملين الشرفا، فلا ريب فى أنه يطلق على ذرية زينب المذكورين أشراف، وكم أطلق الذہبى فى تاريخه فى كثير من التراجم قوله: الشريف الزينبى، وقد يقال: يطلق على مصطلح أہل مصر: الشرف أنواع عام لجميع أہل البيت، وخاص بالذرية، فيدخل فيه الزينبية وأخص منه شرف النسبة، وہو مختص بذرية الحسن والحسين". (کتاب الأدب والرقائق، العجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج۲/ ۳۹: ط: دارالفکر)۔

اور یہی وجہ ہے حافظ ذہبی کے تراجم میں اس طرح لکھا پائیں گے وہ فرماتے ہیں الشریف العباسی۔ الشریف العقیلی۔ الشریف الجعفری اور الشریف الجعفری جب مصر میں خلفائے فاطمیین کو حکومت ملی تو انہوں لفظ سید کو حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ذریت کے لئے خاص کر دیا اور اب تک مصر میں وہی عرف جاری ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ اصطلاح قرون اولی سے جاری ہے اور وہ ہر علوی۔ جعفری۔ عقیلی۔ اور عباسی پر بولا جاتا تھا جیسا کہ اسے امام ذہبی نے لکھا اور جیسا کہ اس کی جانب ہمارے اصحاب میں سے ماوردی نے اشارہ کیا اور حنابلہ میں سے قاضی ابو یعلی ابن فراء نے اور وہ

دونوں احکام سلطانیہ میں ہے اور اسی کے مثل ابن مالک کا قول الفیہ میں ہے اور اس کے آل پر جو شرافت میں کامل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ زینب کی ذریت پر بھی بولا جاتا ہے مذکورین میں وہ بھی اشراف سے ہیں اور ذہبی نے اپنی تاریخ کم لکھا لیکن اس کے تراجم میں کثرت ہے اس کا قول؟ الشریف الزینبی اور کبھی مصر کے عرف کے مطابق بولا جاتا ہے الشرف کی چند قسمیں ہیں ایک تمام اہل بیت کے لئے عام ہے اور خاص ہے ذریت کے لئے تو اس میں زینبیہ داخل ہوگی اور انہیں میں سے جو نسبت میں مشرف ہے وہ حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذریت کے لئے خاص ہے:

عبدالروٴف مناوی فرماتے ہیں: وھم یعنی الاشراف ولد علی و عقیل و جعفر والعباس کذا مصطلح السلف و انما حدث تخصیص الشریف بولد الحسن والحسین فی مصر خاصة من عھد الخلفاء الفاطمیین (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۱/۵۲۲ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر)۔ اور وہ لوگ یعنی سادات حضرت علی۔ عقیل۔ جعفر۔ اور عباس کی اولاد ہیں اور ایسا ہی عرف سلف سے جاری ہے اور خلفائے فاطمیین کے زمانے سے مصر میں لفظ سید حسن اور حسین کی اولاد کے لئے خاص کر دیا گیا۔

الفقیہ النسابۃ احمد بن محمد الحموی الحنفی فرماتے ہیں: الشریف فی العرف الآن ھو من ینتسب الی الحسنین (الدر النفیس فی نسب الامام محمد بن ادریس/ ۹ مخطوطہ مکتبۃ ملک عبدالعزیز ریاض) یعنی آب عرف میں سید وہ ہے جس کا نسب حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملتا ہے۔

مسائل کثر حولھا النقاش والجدل میں ہے: والمراد بالشریف المنسوب الی الحسن والحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما (مسائل کثر حولھا النقاش والجدل/۱۳۴)۔
یعنی سید سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نسب سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منسوب ہو۔

امام سیوطی علیہ الرحمہ اس مسئلہ کو یوں بھی بیان فرماتے ہیں: ان الوصایا والاوقاف تنزل علی عرف البلد و عرف مصر من عہد الخلفاء الفاطمیین الی الآن ان الشریف لقب لکل حسنی و حسینی خاصۃ فلا یدخلون علی مقتضی ھذا العرف (الحاوی للفتاوی للسیوطی ج ۲/ ۱۴۱ دار الفکر بیروت)۔ یعنی وصیت اور وقف شہر کے عرف پر مبنی ہوتے ہیں اور مصر کا عرف خلفائے فاطمیین کے زمانے سے اب تک یہ ہے کہ سید بطور خاص ہر حسنی و حسینی کا لقب ہے پس اس عرف کا تقاضہ ہے کہ دیگر اہل بیت کرام اس میں داخل نہ ہوں۔

محقق علی الاطلاق فاضل بریلوی قدس سرہ فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: سبطین کریمین (یعنی حضرات امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی اولاد سید ہیں (فتاوی رضویہ ج ۱۳/ ۳۶۱ رضا فاؤنڈیشن لاہور)۔

کفایت المفتی میں ہے:
سوال: بنو فاطمہ کے علاوہ بنو ہاشم بھی سید ہے یا نہیں؟
جواب: بنو فاطمہ کے علاوہ بھی دوسرے ہاشمی بھی لغۃً احتراماً سید ہے اور حرمت صدقہ کے حکم میں شامل ہے مگر اصطلاحاً سید کا لفظ صرف بنو فاطمہ کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ (کفایت المفتی، کتاب العقائد، ج

۱/۲۵۴ط:دارالاشاعت)۔

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد سید کہلاتی ہے (اجمال ترجمہ اکمال ملحق بمرآۃ المناجیح ۱۰۲/نعیمی کتب خانہ گجرات)۔

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فتاوی شارح بخاری میں فرماتے ہیں: سید کے دو معنی ہیں (۱) لغوی جس کے معنی سردار۔ پیشوا کے ہیں اس معنی کے اعتبار سے مولی المسلمین امیر المؤمنین علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم بلا شبہ سید ہیں سید ہی نہیں سید السادات ہیں جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: انت سید فی الدنیا والآخرۃ: تم دنیا و آخرت میں سردار ہو۔ اس لغوی معنی کے اعتبار سے امیر المؤمنین علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا سید نہیں بلکہ تمام صحابہ ءکرام سید ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابو بکر سیدنا و اعتق سیدنا: خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں انصار سے کہا: قوموا الی سیدکم (اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ) اور فرمایا: ابوبکر وعمر سیدا کھو اھل الجنۃ (ابوبکر اور عمر اہل جنت کے ادھیڑ عمر والوں کا سردار ہے)۔

سید کا دوسرا معنی عرفی ہے یعنی جو شخص بلا واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں کی اولاد ہو چونکہ جملہ صاحب زادگان عہد طفولیت ہی میں وصال فرما چکے تھے اور

صاحب زادیوں میں سوائے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کسی کی نسل نہیں چلی اس لئے اب سید کے معنی ہیں اولاد فاطمہ اس معنی کے اعتبار سے بالکل ظاہر اور عیاں ہے کہ امیر المؤمنین علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سید نہیں اور اس میں کوئی تنقیص شان نہیں کیونکہ حضرات خلفائے ثلاثہ بھی معن ءعرفی کے اعتبار سے سید نہیں جب کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ وہ تینوں حضرات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے افضل ہیں کسی بھی حکم شرعی کو جذباتی طور پر نہیں حل کرنا چاہئے حقائق کی روشنی میں ٹھنڈے دل سے غور کر کے حل کرنا چاہئے علوی سید کا لفظ عامۂ بلاد اسلام میں رائج نہیں۔صرف علوی بولا جاتا ہے اس سے مولی المسلمین امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی وہ اولاد مراد ہیں جو حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ دوسری ازواج سے ہیں مثلاً حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد۔یہ لوگ سید نہیں۔اہل بیت کا لفظ عام ہے۔اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ باعتبار عرف (ونسب) سادات نہیں سادات کا لفظ خاص ہے اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے (فتاوی شارح بخاری کتاب العقائد ج ۲/عقائد متعلقہ صحابۂ کرام)۔

فتاوی اہلسنت میں ہے: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی جو اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہیں ان کو اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد کو سید کہا جاتا ہے ہر سید ہاشمی ضرور ہے مگر ہر ہاشمی سید نہیں ہے (فتاوی اہل سنت کتاب الزکواۃ/مکتبۃ المدینہ کراچی)۔

فتاوی فیض الرسول میں ہے: شریف کا لفظ جو عرب میں سید کے معنی میں بولا جاتا ہے پہلے زمانہ میں علوی۔ جعفری۔اور عباسی وغیرہ پر بھی اس کو بولا جاتا تھا مگر جب مصر پر فاطمی حکومت کا قبضہ ہوا تو یہ لفظ حضرات

حسنین کریمین کی اولاد کے ساتھ خاص ہوگیا اور یہی عرف ابتک چلا آرہا ہے اسی لئے ہندوستان میں بھی سید سے اولاد حسنین ہی مراد لیتے ہیں۔

بنو ہاشم میں اولاد محمد بن حنفیہ۔آل جعفر۔آل عباس۔اور آل عقیل کو سید کہنا صحیح نہیں کہ تخصیص عرفی کے خلاف ہے جیسے کہ تخصیص عرفی کے خلاف ہونے سبب قوم کے پیشوا اور سردار کو مہتر کہنا صحیح نہیں۔

جب کہ حسنین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی اولاد کے لئے لفظ سید خاص ہو گیا تو دوسرے لوگوں کے لئے اس لفظ کا استعمال کرنا درست نہیں:

بے شک اگر قرشی النسل ہونے کی بنیاد پر علوی وغیرہ کو سید کہنا درست ہو تو صدیقی۔فاروقی۔اور عثمانی کو بھی اس بنیاد پر سید کہنا درست ہوگا (فتاوی فیض الرسول ج ۲/۵۸۴)۔

(۱) ان تمام حوالجات مذکورہ بالا سے متحقق وثابت ہے کہ لفظ سید کا اطلاق قرآن واحادیث یا لغت میں نسب کے لئے نہیں ہوا ہے بلکہ ذاتی فضل وکمال پر بولا گیا اور سردار کے معنی میں مستعمل ہے جو عام ہے ہر صاحب کمال پر اس کا اطلاق درست ہے اور ہر سردار کے لئے استعمال کرنا صحیح ہے چاہے صاحب کمال دنیوی اعتبار سے ہو یا دینی اعتبار سے ہو البتہ اہل کفر وشرک۔منافق وگمراہ۔اور اہل بدعت پر نہ کیا جائے چونکہ اس میں ایک قسم تعظیم پائی جاتی ہے اور مسلمانوں کے لئے شرعا ان لوگوں کی تعظیم کرنا کفر وبدعت ہے جیسا کہ قاعدہ کلیہ ہے: تبجيل الكفر كفر: یعنی کافر کی تعظیم کرنا کفر ہے:

(۲) البتہ ہر مسلمان جو چھوٹا ہو اپنے بڑے کے لئے ان کی رفعت وعظمت اور بلندی کو دیکھتے ہوئے سید کہہ سکتا ہے لیکن مطلق نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس میں اشتباہ کا احتمال ہے بلکہ یوں کہہ سکتا ہے سیدی اور سیدنا یا

سیدالقوم یاسیدالطائفہ جیسا کہ عربی کا مقولہ ہے:سید القوم خادمہم:قوم کا سرداراس کا خادم ہے:

حدیث میں ہے:وعن سہل بن سعد رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »سيد القوم فی السفر خادمهم رواه البيهقی فی شعب الايمان (مشکواۃ المصابیح کتاب الجہاد)۔قوم کا سردار سفر میں قوم کا خادم ہے:اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔اس اعتبار سے تو مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدرجۂ اولی سید ہیں اس لئے سیدنا مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا استعمال واطلاق کیا جاتا ہے اور کرنا صحیح درست ہے۔

دوسرا معنی عرف واصطلاح میں بطور لقب ونسب مستعمل ہے اول ادوار میں اس کا اطلاق آل علی۔آل جعفر۔آل عباس اور آل عقیل پر ہوا لیکن سلطنت فاطمی کے دور سے خلفائے فاطمیین نے اس لفظ سید کو بطور لقب ونسب امام کریمین یعنی امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کی اولاد وذریت کے لئے خاص کر دیا اور پھر یہی عرف دھیرے دھیرے ساری دنیا میں جاری ہو گیا اب جب بھی سید بولا جاتا ہے تو ذہن اولاد حسن وحسین رضی تعالیٰ عنہم کی جانب ہی مبذول ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ حسنی سید ہیں یا حسینی سید ہیں اس کے علاوہ کسی کی جانب ذہن مبذول نہیں ہوتا ہے:الخاصة مايوجد فی شیء ولا فی غيره:جس کے لئے جو چیز خاص ہو اسی کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز ہے اس کے علاوہ کے نہیں اس اصول کے تحت دوسرے کے لئے بطور لقب ونسب سید کا استعمال واطلاق عرفی واصطلاحی معنی میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے:اس روشنی یہ کہنا درست وصحیح ہے کہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ باعتبار نسب یا

باعتبار عرف واصطلاح سید نہیں ہیں: بغیر اضافت کے ان کے نام کے شروع میں صرف سید علی المرتضیٰ لکھنا اور بولنا جائز نہیں چونکہ یہ عرف واصطلاح کے خلاف ہوگا اور کوئی اس طرح لکھتا یا بولتا نہیں ہے۔

اور یہ منقول عرفی واصطلاحی کے قبیل سے ہے:

(المنقول)وہو اللفظ الذی تعدد معناه وقد وضع للجميع كالمشترك ولكن يفترق عنه بأن الوضع لأحدہا مسبوق بالوضع للآخر مع ملاحظة المناسبة بين المعنيين فى الوضع اللاحق .مثل لفظ (الصلاة) الموضوع أولًا للدعاء ثم نقل فى الشرع الإسلامى لہذه الأفعال المخصوصة من قيام وركوع وسجود ونحوہا لمناسبتہا للمعنى الأول .ومثل لفظ (الحج) الموضوع أولًا للقصد مطلقاً، ثم نقل لقصد مكة المكرمة بالأفعال المخصوصة والوقت المعين … وہكذا أكثر المنقولات فى عرف الشرع وأرباب العلوم والفنون .ومنہا لفظ السيارة والطائرة والہاتف والمذياع ونحوہا من مصطلحات ہذا العصر.

والمنقول ينسب إلى ناقله فإن كان العرف العام قيل له: منقول عرفى كلفظ السيارة والطائرة .وإن كان العرف الخاص كعرف أہل الشرع والمناطقة والنحاة والفلاسفة ونحوہم قيل له: منقول شرعى أو منطقى أو نحوى أو فلسفى ...وہكذا.

4-(المرتجل) وہو کالمنقول بلا فرق إلا أنه لم تلحظ فيه المناسبة بين المعنيين، ومنه أكثر الأعلام الشخصية.

المنقول ينقسم إلى (تعيينى وتعيّنى) لأن النقل تارة يكون من ناقل معين باختياره وقصده، كأكثر المنقولات فى العلوم والفنون وہو المنقول (التعيينى) أى أن الوضع فيه بتعيين معين .وأخرى لا يكون بنقل ناقل معين باختياره، وإنما يستعمل جماعة من الناس اللفظ فى غير معناه الحقيقى لا بقصد الوضع له، ثم يكثر استعمالہم له ويشتہر بينہم، حتى يتغلب المعنى المجازى على اللفظ فى أذہانہم فيكون كالمعنى الحقيقى يفہمه السامع منہم بدون القرينة. فيحصل الارتباط الذہنى بين نفس اللفظ والمعنى، فينقلب اللفظ حقيقة فى ہذا المعنى .وہو (المنقول التعينى)(المنطق اول)۔

منقول: وہ لفظ مفرد جس کو ابتدائً تو ایک معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو لیکن پھر اس کا استعمال کسی دوسرے معنی میں اس طرح ہونے لگا ہو کہ پہلے معنی کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ جیسے: لفظ صلوۃ کہ ابتدائً تو اس کی وضع دعا کیلئے تھی لیکن پھر یہ نماز کے معنی میں ایسا مشہور ہو گیا کہ دعا والے معنی کو چھوڑ دیا گیا۔

منقول کی اقسام: الفظ کے ایک معنی کو دوسرے معنی میں نقل کرنے کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں۔

۱۔منقول شرعی ۲۔منقول عرفی ۳۔منقول اصطلاحی

۱۔منقول شرعی: وہ منقول جس کو نقل کرنے والے اہلِ شرع ہوں۔ جیسے: لفظ صَلٰوۃٌ۔ اسے پہلے معنی (یعنی دعا) سے دوسرے معنی (یعنی نماز) کی طرف نقل کرنے والے اہل شرع ہیں۔ ایسے ہی لفظ زکوۃ، حج، روزہ وغیرہ ان سب کے لغوی معنی کچھ اور ہیں لیکن شریعت میں لغوی معنی نہیں بلکہ مخصوص معنی مراد ہیں:

۲۔منقول عرفی: وہ منقول جس کو نقل کرنے والے عرف عام ہوں جیسے: لفظ کوفتہ کے اصلی معنی کوٹا ہوا۔ پھر عام اہل زبان اس کو گول کباب کے معنی میں استعمال کرنے لگے، اسی طرح لفظ ''دَابَّۃٌ''۔

۳۔منقول اصطلاحی: وہ منقول جس کو نقل کرنے والے مخصوص طبقہ کے لوگ ہوں۔ جیسے: ''لفظ'' کا لغوی معنی پھینکنا ہے مگر بعد میں نحوی اسے ایک مخصوص معنی کیلیئے استعمال کرنے لگے ؟:

عرف حجت شریعہ ہے:

عرف کی لغوی تعریف: عرف اور عادت ایک ہی چیز ہے۔ عادت عود اور معاودۃ سے مأخوذ ہے، لغوی اعتبار سے اس کا معنی طریقہ، طرز اور کسی کام کے بار بار ہونے یا کرنے کے ہیں:

مأخوذة من العود أو المعاودة بمعنى التكرار، والعادة: اسم لتكرير الفعل أو الانفعال حتى يصير سهلا تعاطيه كالطبع (دکتور محمد صدقی بن احمد، الوجیز فی ایضاح قواعد الفقہ الکلیۃ ج۱/۲۷۳ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)۔

عرف کی اصطلاحی تعریف

العرف: ما استقرت النفوس عليه بشهادة العقول، وتلقته الطبائع بالقبول (علی بن محمد بن علی الجرجانی، کتاب التعریفات ج ۲/ ۱۴۹ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ)۔

جو عقول صحیحہ اور طبائع سلیمہ کے قبول کرنے سے دلوں میں جگہ حاصل کریں: العادة عبارة عما يستقر في النفوس من الأمور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة (زین الدین بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، الاشباہ والنظائر ج ۱، ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)۔

عادت عبارت ہے ان امور متکررہ سے جو طبائع سلیمہ کو قابل قبول ہوں۔ یعنی ہر اس فعل اور قول کو کہتے ہیں جس کا عام لوگوں میں رواج ہو گیا ہو۔

عرف کی حجیت

عرف کے معتبر ہونے پر قرآن کریم سے دلائل: خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاہلین (سورۃ الاعراف ج ۱/ ۱۹۹)۔

عرف کے حجت ہونے پر اس کو معتبر شرعی دلیل سمجھتے ہیں:

قال ابن الفرس: المعنى: اقض بكل ما عرفته النفوس مما لا يرده الشرع، وہذا أصل القاعدة الفقہية في اعتبار العرف و تحتہا مسائل كثيرة لا تحصى (جلال الدین سیوطی، الاکلیل فی استنباط التنزیل ج ۱، ۱۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ)۔

لا يواخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يواخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أَہليكم أو كسوتہم أو تحرير رقبة

فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام ذلكَ كفارة أيمانكم إذا حلفتم واحفظوا أيمانكم كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تشكرون (سورۃ المائدۃ ۵/۸۹)۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کا بیان ہے کہ کفارہ یمین میں دس مساکین کو کھانا کھلانا ہے اب کیسا کھانا کھلانا ہوگا؟ تو یہ بات عرف پر موقوف ہوگی:

فإن أصله أن ما لم يقدره الشارع فإنه يرجع فيه الى العرف، وہذا لم يقدره الشارع فيرجع فيه الى العرف، لا سيما مع قوله تعالى (من أوسط ما تطعمون أہليكم (الفتاوی الکبریٰ ج۴، ۱۹۹، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ)۔

عرف کے حجت ہونے پر احادیث مبارکہ سے دلائل: بعض علمائے کرام اس حدیث سے دلیل اخذ کرتے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے نزدیک اچھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جو اس کے ہاں قبیح ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبیح ہے:

وقال عليه الصلاة والسلام -: ما رآه المسلمون حسنا؛ فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون قبيحا؛ فهو عند الله قبيح (علاؤالدین، ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۳/۵ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ)۔

لیکن علماء نے اس دلیل کو کمزور کہا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن مسعود پر موقوف ہے۔اور اجماع کی حجیت پر دلیل ہے نہ کہ عرف پر:

جزء من حديث رواه أحمد عن ابن مسعود بلفظ أن الله نظر في قلوب عباده فاختار محمدا صلى الله عليه وسلم فبعثه برسالته، ثم نظر في قلوب العباد

فاختار له أصحابا فجعلهم أنصار دينه ووزراء نبيه، فما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون قبيحا فهو عند الله قبيح .قال العجلونى فى كشف الخفاء: وہو موقوف حسن، ثم نقل عن الحافظ ابن عبد البر أنه روى مرفوعا عن أنس بإسناد ساقط، والأصح وقفه على ابن مسعود (ابوالحسن،علی بن ابی علی آمدی،الاحکام فی اصول الاحکام ج۴،۱۵٦،المکتب الاسلامی، بیروت دمشق)۔

مگر یہ اجماع کا مستند عرف صحیح ہے پس اس حدیث کی دلالت عرف کی انواع پر ہوگی نہ کہ مطلق عرف پر اور سچی بات یہ ہے کہ عرف شریعت میں معتبر ہے اوراس پر احکام کی بنا کرنا درست ہے۔حقیقت میں یہ کوئی مستقل دلیل نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ ان ادلہ کی طرف لوٹتا ہے جو شرعا معتبر ہیں۔

دوسری روایت جو صحیح بخاری میں موجود ہے: حدثنا محمد بن المثنى، حدثنا يحيى، عن ہشام، قال: أخبرنى أبى، عن عائشة، أن ہند بنت عتبة، قالت: يا رسول الله إن أبا سفيان رجل شحيح وليس يعطينى ما يكفينى وولدى، إلا ما أخذت منه وہو لا يعلم، فقال:خذى ما يكفيك وولدك، بالمعروف (محمد بن اسماعیل بخاری،الجامع الصحیح البخاری ج۷،٦۵،حدیث ۵۳۴٦]،دارطوق النجاۃ،۱۴۲۲ھ)۔

سیدنا ابوسفیان کے بارے میں اس کی بیوی نے شکایت کی کہ وہ مجھے پورا خرچ نہیں دیتا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے مال سے عرف کے مطابق خرچ لیا کرو۔اسی وجہ سے ابن عابدین (ابن عابدین،محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز،حسینی،دمشقی،۱۲۴۴ھ کو پیدا ہوئے۔آپ بہت بڑے عالم تھے،آپ طرابلس

میں قضاء کیبھد پیر۱۲۹۲۔۱۲۹۵ تک رہے۔۱۳۰۶ھ میں وفات پاگئے۔آپ کی تصانیف میں قرۃ عیون الاخبار، الدر المختار،معراج النجاح شرح نور الایضاح، الهداية العلائية اور ایک رسالہ زلۃ القاری کے نام سے شامل ہیں۔(الاعلام للزرکلی ج۶،۲۷۰)۔

لکھتے ہیں:والعرف فی الشرع له اعتبار ...لذا علیه الحکم قد یدار(ابن عابدین، محمدامین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین، دمشقی، ردالمختار علیٰ الدر المختار۳، ۱۴۷، دارالفکر بیروت، طبعۃ الثانیہ۱۴۱۲ھ)۔

یعنی شریعت میں عرف کو اعتبار ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ حکم کا تعلق ہوتا ہے۔اسی طرح شارع نے ان عرفوں کی رعایت کرتے ہوئے جو عرب میں اچھے تھے، برقرار رکھا تجارت اور شراکت کی ان اقسام کو جو ان کے نزدیک صحیح تھیں جیسے مضاربت، بیع اور اجارہ کی وہ صورتیں جو فاسد چیزوں سے خالی تھیں۔نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لوگ مضاربت کرتے تھے پس آپ ﷺ نے ان کو برقرار رکھا اور بیع سلم کو مستثنیٰ پایا(بیع کے عام قوانین سے)اصل مدینہ کے اس پر عمل کی وجہ سے،اس عام نہی کی وجہ سے کہ جو چیز انسان کے پاس نہ ہو وہ اسے نہ بیچے اور بیع التمر بالتمر سے منع فرمایا(یعنی درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ)اور عرایا میں رخصت دی اور وہ یہ ہے کہ تر کھجوروں کی بیع ان کی درختوں پر اس کے مثل کھجوروں سے اندازہ کرنا۔

وروی عبادۃ بن الصامت قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عرایا النخل إذا کان نخلة أو نخلتان أو ثلاث بین النخل فیختلفون فی حقوق ذلك فقضی أن لکل نخلة مبلغ

جريدها حريمها وكانت تسمى العرايا وذلك إذا اختلف هو وصاحب النخل فی حقوقها فيكون لصاحب العرايا ما لا يقوم نخله التی أعريها إلا به (یوسف بن موسیٰ بن محمد، المعتصر من المختصر من مشکل الآثار ۲، ۲۲، عالم الکتب، بیروت، بدون تاریخ)۔

بیع کی یہ قسم لوگوں کے درمیان متعارف تھی اوران کواس کی ضرورت تھی۔پس شارع کے یہ تصرفات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انھوں نے لوگوں کے مصالح میں عرف کی رعایت کی اور لوگوں کے معاملات میں اس کو باقی رکھا۔اور عرف فاسد کو رد کیا اور لغو قرار دیا۔جیسے متبنیٰ کے بارے میں جو رسم جاہلیت تھی اس کو باطل قرار دیا:

فقہائے امت کے نزدیک عرف کا مقام اور بعض مسلمہ قواعد کی توضیح:

فقہائے عرف کو بہت بلند مقام دیا ہے، ذیل میں چند قواعد ملاحظہ ہو:۱۔العادة محكمة (جلال الدین سیوطی، الاشباہ والنظائر ج۱، ۷، دارلکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ)۔

یعنی عادت فیصلہ کن چیز ہے "واضح رہے کہ فقہاء کے ہاں عرف اور عادت ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے۔پس ان کا یہ کہنا کہ یہ بات عرف اور عادت سے ثابت ہے تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ عادت ان کے نزدیک عرف کے علاوہ کوئی چیز ہے بلکہ یہ عادت ہی عرف ہے اور عرف کے ساتھ عادت کا لفظ بطور تاکید کے استعمال ہوتا ہے، کسی نئے معنی کے لئے نہیں:

واعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه فی الفقه فی مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلا، فقالوا فی الأصول فی باب ما تترك به الحقيقة: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة.كذا ذكر فخر الإسلام.فاختلف فی عطف العادة على

الاستعمال فقيل: بما مترادفان، وقيل: المراد من الاستعمال نقل اللفظ عن موضوعه الأصلی إلی معناه المجازی شرعا، وغلبة استعماله فيه، ومن العادة نقله إلی معناه المجازی عرفا (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ج ا،۷۹)۔

۲۔الثابت بالعرف كالثابت بالنص: (محمد عمیم الاحسان،قواعد الفقہ ج ا/۴/۷صدف پبلیشرز، کراچی،۱۴۰۷ھ)۔یعنی "جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ نص سے ثابت ہونے کی مانند ہے"

۳۔التعيين بالعرف كالتعيين بالنص (محمد مصطفیٰ الزحیلی،القواعد الفقہیۃ وتطبیقاتھا فی المذاھب الاربعۃ ج ا/ ۳۴۵/ دارالفکر،دمشق،۱۴۲۷ھ)۔جو عرف سے متعین ہو جائے اس کا تعین نص سے ثابت سمجھا جائیگا: ومن لم يدر بعرف أهل زمانه فهو جاهل (ردالمختار علیٰ الدرالمختار ج ۶۰۲،۳)۔جو زمانہ کے عرف سے ناواقف ہوں وہ جاہل ہے"

اب جو عادت رواج پا تا ہے

شریعت بھی اسے تسلیم کرتی ہے۔ہر معاشرے میں کچھ خاص طریقے ہوتے ہیں۔شریعت کسی معاشرتی رواج اور طور طریقے کو بلا وجہ نہیں روکتی ہاں اس کا اصلاح ضرور کرتی ہے ذیل میں عرف کی اقسام بیان کی جاتی ہے:

كتاب القواعد الفقهية و تطبيقاتها فی المذاهب الأربعة (محمد مصطفیٰ الزحیلی)

الباب الأول :القاعدۃ:(۵۰)۱۱- التعيين بالعرف كالتعيين بالنص (ج ا/۳۴۹)۔

القاعدة(٥١):

١١- التعيين بالعرف كالتعيين بالنص(ج١/٣٤٩)

الألفاظ الأخرى: المعلوم بالعادة كالمشروط بالنص(ج١/٣٤٩)۔

الثابت عرفاً كالثابت نصاً أو نطقاً أو ذكراً (ج١/٣٤٩)۔

الثابت بالعادة كالثابت بالنص(ج١/٣٤٩)۔

التوضیح:المراد من النص نص القرآن أو الحديث، ويعرف النص فى أصول الفقه: بأنه ہو اللفظ الدال على معنى لا يحتمل غيره، ويطلق فى الفقه الشافعى على ما نص عليه الشافعيِ فى كتبه، وفى الفقه الحنبلى ما نص عليه الإمام أحمد:

ومعنى ہذه القاعدة أن أى حكم يترتب على التعيين بمريح النص، يترتب على التعيين بالعرف والعادة، وہذه القاعدة بمعنى قاعدة:

الممتنع عادة كالممتنع حقيقة" (ج١/٣٤٩)

وقاعدة "استعمال الناس حجة يجب العمل بها " (ج١/٣٤٩)

وقاعدة " المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً" (ج١/٣٤٩)

وقاعدة "المعروف بين التجار كالمشروط بينهم " (ج١/٣٤٩)

وتنطبق الأمثلة نفسها فى ہذه القواعد:

التطبيقات

۱-من قال: عليّ الطلاق، قد أصبح ہذا اللفظ فی حقه: كأنتِ طالق؛ لأن العرف سوی بینہما فی الاستعمال (ج۱/۳۴۹)۔

اصول فقہ کا قاعدۂ کلیہ ہے: کسی لفظ سے عرف میں جو معنی مراد لئے جاتے ہوں اس کی وجہ سے حقیقی ولغوی معنی کو چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ: البنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

ان مقتضی اللفظ قد یترك به بدلالة العرف (البنایۃ شرح الھدایۃ ج۱۰/ ۵۸ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

لفظ کے مقتضی کو عرف کی دلالت کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے: جب یہ ثابت ومتحقق ہے کہ عرفی واصطلاحی اعتبار سے لفظ سید بطور لقب ونسب حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کی ذریت کے لئے خاص ہے تو واضح ہے کہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرفی واصطلاحی اعتبار سے بطور لقب ونسب سید نہیں ہیں اور یہی ماننا ان کے شایان شان ہے اس کے خلاف ماننا یا منوانے کی ضد کرنا جہالت محضہ اور حماقت مطلقہ پر دال ہے کیونکہ یہ مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گستاخی واہانت کا باعث ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد بزرگوار ہیں ان کو حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیٹا بنانے یا کہلوانے کی ضد ہے اور خود دانستہ یا دانستہ ایسا کر رہے ہیں تو یہ کتنی بڑی جسارت ہے اس پر قلم جلا دیا جائے تو زوال ایمان کا حکم ہوگا:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عرفی واصطلاحی اعتبار سے بطور لقب ونسب مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید نہیں

ہیں فضائل وکمالات۔خلافت وقیادت اوران گنت بلندی وبزرگی کے باعث ان پرلفظ سید کا اطلاق اضافت کے ساتھ کرنا جائز ہے جیسے اور دیگر معظم شخصیات کے لئے کرنا جائز ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم:

محمد مقصود عالم فرحت ضیاء

(خلیفئہ حضور تاج الشریعه و محدث کبیر و خادم فخر ازهر دارالافتاء و القضاء وسرپرست اعلیٰ جماعت رضائے مصطفی هاسپیٹ وجینگر –وڈو– کمپلی بلاری و گنتکل آندھرا پردیش و مدرس و شیخ الحدیث مدرسه حضرت خدیجة الکبریٰ جامعة البنات ولاء روڈ سنتے پیٹ و ناظم نشرو اشاعت آل کرناٹکا سنی علماء بورڈ کرناٹك الهند)